THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337


# نکاح میں ولی کی شرط: قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

# The condition of a Guardian (Wali) in Marriage (nikkah): A Critical and Analytical Study in the Light of the Quran, Sunnah, and Islamic Jurisprudence


**Dr. Muahammad Ismail**
Assistant Professor Qurtuba University Peshawar
**Dr. Sadeeq Ahmad**
HOD : Academia Facilitation Department CEF Islamabad
Email address:
sadeeqji@gmail.com
**Abdullah Ismail**
PhD scholar International Islamic University Islamabad



## Abstract:

*This research paper delves into the legal and juristic significance of the wali (guardian) in the Islamic marriage contract (nikah), aiming to establish its essentiality from a Shariah perspective. Drawing upon primary Islamic sources—the Qur'an and authentic Sunnah—the study demonstrates that the requirement of a wali is not merely a cultural formality but a binding condition according to the overwhelming majority of scholars. Through a thorough analysis of key prophetic traditions, including the well-known Hadith, "There is no marriage without a wali," and the practices of the Companions (Sahaba), the article highlights the strong foundational basis for this condition.*

*The paper presents a comparative review of the four major Sunni schools of thought, outlining the positions of the Maliki, Shafi'e, and Hanbali madhahib, which unanimously uphold the necessity of a wali for a marriage to be valid. In contrast, the Hanafi school maintains that a mature and sane woman may contract her own marriage without the approval of a wali, based on their interpretation of certain Qur'anic verses and legal principles. The article scrutinizes the evidences provided by th Hanafi's, engages with the counter-arguments of the majority, and explores the implications of both positions on contemporary Muslim societies.*

*By synthesizing juristic discourse, classical texts, and principles of public welfare, the article concludes that the condition of a wali is not only rooted in strong textual evidences but also serves to protect the rights and interests of women, families, and society at large. It is argued that this condition reflects the wisdom of Islamic law in ensuring social stability, familial consent, and moral accountability in the process of marriage.*


## تمہید

اسلام نے پوری انسانی زندگی اور اس کے تمام شعبہ جات میں اعتدال، توازن اور حکمت کو بنیاد بنا کر ایک مثالی معاشرہ کا تصور دیا ہے۔ اسی نظم وضبط کی ایک نہایت اہم اور انتہائی واضح مثال نکاح کا حکم ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے، کہ نکاح ایک حکم ہی نہیں بلکہ پورا ایک ادارہ ہے، جو صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ خاندان، نسل، دین اور معاشرت کے قیام، استحکام اور اتحادِ اُمت کا ایک جامع ذریعہ ہے۔ اجتماعیت اور اتحاد اُمت کے لیے پہلی منزل بلکہ نقطہ آغاز خاندان اور عائلی نظام ہے، اور خاندان کی بنیاد نکاح سے پڑتی ہے چنانچہ اسلام نے نکاح کو نہ صرف ایک سماجی معاہدہ قرار دیا بلکہ اسے دینی فریضہ اور عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بلوغ کے بعد فرض قرار دیا، جیسا کہ قرآن کے سورۃ النور میں حکم دیا:

"وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ"[1]

"تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں، اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو"

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

اسی طرح احادیث مبارکہ میں نکاح کی اہمیت بیان ہوئی ہے، نبی کریم ﷺ سے اس کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں، جیسے صحیح بخاری میں روایت ہے:

"يا معشر الشباب! مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فإنه له وجاء" [2]

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کی بھی نکاح کرنے کی طاقت ہو، تو وہ نکاح کریں، کیونکہ یہ نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، اور جو کوئی اس کی طاقت نہ رکھے، تو اُسے روزے رکھنے چاہیے، کیونکہ روزہ اس کے لیے خواہشاتِ نفسانی کا توڑ ہے"

**نکاح کی شرعی حیثیت اور مقاصد**

فقہاء کے نزدیک نکاح کے اہم مقاصد یہ ہیں: حفظِ نسل، حفظِ دین، عفت و پاکدامنی، خاندانی نظام کا استحکام

اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے بھی اس کی ضرورت پر زور دے کر اسے واجب قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

"لا خلاف أن النكاح فرض حالة التوقان حتى أن من تاقت نفسه إلى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن وهو قادر على المهر والنفقة ولم يتزوج يأثم" [3]

"اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نکاح کی استطاعت کی موجودگی میں یہ فرض ہے، حتی کہ اگر کوئی اپنے اندر عورتوں کی طرف رغبت پاتا ہے، اور اُن سے اپنے اوپر قابو بھی نہیں پاتا، اور مہر اور نان نفقہ کی طاقت بھی ہو، پھر بھی نکاح نہ کرے، تو گناہ گار ہو گا"

اس مقدس رشتہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے اور اسے مستحکم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ اصول وضوابط مقرر کر کے اپنے پیغمبر کے ذریعے اپنے بندوں کو پہنچا دیے، جن میں سے ایک نہایت اہم شرط ولی کی موجودگی ہے۔ ولی، لڑکی کا وہ سرپرست ہوتا ہے جو اس کی خیر خواہی، دینی بہتری، اور معاشرتی تحفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح کے فیصلے میں سرپرستی فراہم کرتا ہے۔ اس تصور کی جڑیں صرف اسلامی قانون میں نہیں بلکہ انسانی فطرت، سماجی نفسیات اور تاریخی تجربات میں پیوست ہیں۔ قرآنی آیات، نبوی ارشادات، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعامل، اور ائمہ مجتہدین و فقہاء کے اقوال اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ نکاح جیسے اہم مرحلے میں ولی کی موجودگی کسی رسمی یا نمائشی اقدام کا نام نہیں بلکہ ایک ذمہ دارانہ، شرعی اور اخلاقی تقاضا ہے۔ قرآن کریم کے مختلف آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جو صیغے استعمال فرمائے ہیں، اُن سے ولی کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی پڑتی ہے، جیسے سورۃ البقرہ میں فرمایا:

"وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ۚ"[4]

"تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مومن باندی مشرک عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت بھلی لگے۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں"

یہاں پر استعمال ہونے والے صیغوں کو دیکھا جائے، تو صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم ولی کو لازمی قرار دیتا ہے، جیسے مردوں کو مشرکوں کے ساتھ نکاح سے منع کرنے کے لیے پہلے جملے میں فرمایا: "وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ"۔ "مشرکہ عورتوں سے ایمان لائے بغیر نکاح نہ کرو" جبکہ عورتوں کے بارے میں مردوں کو حکم دیا: "وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟"۔ ۚ "اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں نہ دو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں" اسی طرح فرمایا: "وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ"[5]۔ "اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پوری کر لیں تو انہیں اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھی طرح راضی ہو"

یہ فرق ولی کی شمولیت اور اس کی حکمت کو ظاہر بلکہ اچھی طرح نمایاں کر کے اس کے وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "الام" میں اس آیت کو ولی کے لیے دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں: "هَذَا أَبْيَنُ ما في الْقُرْآنِ من أَنَّ لِلْوَلِيِّ مع الْمَرْأَةِ في نَفْسِهَا حَقًّا

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

وَأَنَّ على الْوَلِيِّ أَنْ لَا يَعْضُلَهَا إِذَا رَضِيَتْ أَنْ تَنْكِحَ بِالْمَعْرُوف"[6] "قرآن کریم کی یہ آیت اس بارے میں سب سے زیادہ واضح ہے، اس کہ ولی کے لیے عورت کے اپنے نفس کے بارے میں اختیار کا حق ہے، اور ولی پر لازم ہے کہ اگر وہ معروف طریقے سے (یعنی کفوٴ میں) نکاح پر راضی ہے تو وہ اُس کو منع نہ کرے"

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں جو واقعہ آیا ہے، وہ امام بخاری میں نے اپنے سند کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ (فَلا تَعْضُلُوهُنَّ) قَالَ: حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ: أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِ، قَالَ: زَوَّجْتُ أُخْتًا لِي مِنْ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا، حَتَّى إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا جَاءَ يَخْطُبُهَا، فَقُلْتُ لَهُ: زَوَّجْتُكَ وَفَرَشْتُكَ وَأَكْرَمْتُكَ فَطَلَّقْتَهَا، ثُمَّ جِئْتَ تَخْطُبُهَا، لَا وَاللهِ لَا تَعُودُ إِلَيْكَ أَبَدًا، وَكَانَ رَجُلًا لَا بَأْسَ بِهِ، وَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُرِيدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ هَذِهِ الْآيَةَ {فَلا تَعْضُلُوهُنَّ} فَقُلْتُ: الْآنَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ[7]

"حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا، تو اُس نے اُسے طلاق دے دی، حتی کہ اُس کی عدت گذر گئی، اور اُس سے الگ ہوگئی۔ اس کے بعد وہ شخص دوبارہ اُس کا رشتہ مانگنے آگیا، تو میں نے اُسے کہا: میں نے تمہیں اپنی نکاح میں دے دی تھی، اور تمہیں عزت دے دی تھی، تو اس کے بدلے تم نے اُسے طلاق دے دی! اب تم دوبارہ اُس کا رشتہ مانگنے آئے ہو؟ نہیں! اللہ کی قسم: وہ تمہارے پاس واپس کبھی نہیں آئے گی۔ وہ شخص کوئی برا آدمی نہ تھا، اور عورت بھی اُس کے پاس واپس جانا چاہتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (فَلا تَعْضُلُوهُنَّ) تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اب میں اسے دوں گا۔ کہتے ہیں، کہ اُس نے اپنی بہن کا نکاح اُس شخص کے ساتھ کر دیا"

ثابت ہو گیا کہ اگر ولایت نہ ہوتی، تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا اپنی بہن کو نکاح سے منع کرنے کا حق نہیں تھا، اور اس کے بارے میں وحی نازل نہ ہوتی، جس میں اس اختیار کو یہاں استعمال کرنے سے روکا گیا۔ اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوگئی کہ ولی کی ولایت قرآن کریم سے ثابت ہے، جس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

اسی طرح کئی احادیث میں ولی کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا گیا ہے، بلکہ ولی کے بغیر نکاح کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، جیسے حدیث شریف میں آیا ہے:

"عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ"[8] "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا"

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں تو بڑی وضاحت کے ساتھ ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح کو باطل قرار دیا گیا۔ اس روایت کو امام ترمذی نے اپنے سنن میں یوں نقل کیا ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ[9].

"جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اُس کا نکاح باطل ہے، اُس کا نکاح باطل ہے۔ اگر اُس نے اس کے ساتھ ہمبستری کرلی ہے، تو اُس کی شرمگاہ حلال کرلینے کے عوض اُس کے لیے مہر ہے، اور اگر اولیاء میں جھگڑا ہو جائے، تو جس کا کوئی ولی نہ ہو، اُس کا ولی حاکمِ وقت ہو گا۔

امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کرکے اس کو حدیثِ حسن قرار دیا ہے، اور آخر میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وَالعَمَلُ فِي هَذَا البَابِ عَلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَغَيْرُهُمْ، وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ أَنَّهُمْ قَالُوا: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» مِنْهُمْ سَعِيدُ بْنُ المُسَيِّبِ، وَالحَسَنُ البَصْرِيُّ، وَشُرَيْحٌ، وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ العَزِيزِ، وَغَيْرُهُمْ وَبِهَذَا يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالأَوْزَاعِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ"[10]

"صحابہ کرام میں سے اہل علم کا عمل اس باب میں نبی کریم ﷺ کی حدیث: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" (ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے) پر ہے، جن میں عمر، علی، عبد اللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ اسی طرح بعض فقہائے تابعین سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بھی یہی کہا ہے کہ: "ولی کے بغیر

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

نکاح درست نہیں ہے"۔ ان میں سعید بن مسیب، حسن بصری، شریح، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ اور اسی رائے کو سفیان ثوری، اوزاعی، عبد اللہ بن مبارک، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ نے بھی اختیار کیا ہے"۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں ایک صحیح حدیث نقل ہوئی ہے، جس کے مطابق عورت اپنا عقد خود نہیں کر سکتی:

"حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ الْعُقَيْلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا"[11]

"کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے، نہ عورت خود اپنا نکاح کرے، بدکار عورت ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت براہ راست اپنا عقد نہیں کر سکتی، اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس حدیث کے آخری جملے کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ جملہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے، کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے نکاح کو زنا شمار کرتے تھے۔ امام بیہقی کی روایت اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ، إِمْلَاءً، ثنا الْقَاضِي أَبُو مُحَمَّدٍ يَحْيَى بْنُ مَنْصُورٍ، ثنا أَبُو عَمْرٍو أَحْمَدُ بْنُ الْمُبَارَكِ الْمُسْتَمْلِي ثنا يَحْيَى بْنُ مُوسَى خَتٌّ، ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ، ثنا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ الْمُلَائِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تُنْكِحُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُنْكِحُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا " قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: كُنَّا نَعُدُّ الَّتِي تُنْكِحُ نَفْسَهَا، هِيَ الزَّانِيَةُ "[12]

اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے نکاح کو نکاح نہیں بلکہ زنا سمجھتے تھے، اور اُس عورت کو زانیہ قرار دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے نکاح کو باطل قرار دے کر رد کر دیتے تھے، اور نکاح کرنے والے کو باقاعدہ سزا دیتے تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سنن بیہقی میں اُن کا ایک واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

"أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ، أنبأ عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، ثنا رَوْحٌ، ثنا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ ، قَالَ: جَمَعَتِ الطَّرِيقُ رَكْبًا فَجَعَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ ثَيِّبٌ أَمْرَهَا بِيَدِ رَجُلٍ غَيْرِ وَلِيٍّ فَأَنْكَحَهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ فَجَلَدَ النَّاكِحَ وَالْمُنْكِحَ وَرَدَّ نِكَاحَهَا"[13]

"عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ راستے میں کئی قافلے جمع ہو گئے، جہاں ایک شوہر دیدہ عورت نے اپنا اختیار ولی کے علاوہ کسی اور کے حوالے کیا، جس نے اس کا نکاح کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی، تو انہوں نے نکاح کرنے اور کرانے والے دونوں کو دُرّے مارے اور ان کا نکاح واپس کر دیا"

### ولی کا تصور اور اس کی حکمت

ولی سے مراد وہ قریبی مرد سرپرست ہے جو عورت کے نکاح میں اس کی مصلحت کا خیال رکھتا ہے۔ ولی کی مشروعیت کے بنیادی مقاصد یہ ہیں: عورت کا تحفظ، مناسب رشتہ (کفوٗ) کا انتخاب، خاندانی ہم آہنگی، معاشرتی استحکام۔

ذکر شدہ آیات کریمہ، احادیث اور اقوال و افعالِ صحابہ سے شریعتِ مطہرہ میں ولی کی اہمیت بلکہ اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ اس معاملے میں فقہا کا اختلاف موجود ہے، بالخصوص حنفیہ اور جمہور کے مابین، لیکن اس اختلاف میں بھی اصولِ شریعت اور مصلحتِ امت کی جھلک نمایاں ہے۔ عصرِ حاضر میں جب نکاح کی آزادی اور انفرادی مرضی کو بہت زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے، یہ سوال شدت سے ابھرتا جا رہا ہے کہ کیا ولی کی شرط اب بھی اُسی درجے کی ضرورت ہے؟ کیا عورت اپنے فیصلے میں مکمل خود مختار ہے یا اس کی فطری کمزوری اور معاشرتی نزاکت کے پیشِ نظر کسی خیر خواہ اور دین دار ولی کا کردار اب بھی لازم ہے۔

### عصری تناظر میں مسئلے کی اہمیت

اصل مسئلہ جہاں سے خرابی یا بدگمانی پیدا ہوئی، وہ یہ کہ ولی کے بارے میں یہ تصور کیا گیا کہ وہ عورت کا مالک ہے، اور عورت اُس کی ملکیت ہے، اور وہ جس طرح چاہے اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے۔ فقہائے کرام نے اس سلسلے میں ولی کی جو تقسیم مجبر اور غیر مجبر کے طور پر کی ہے، یعنی ایک وہ ولی ہے، جو عورت سے پوچھے بغیر اُس کا نکاح کر سکتا ہے، وہ مجبر ہے، اور اس قسم کے لیے انہوں نے باپ، دادا یا ان میں سے کسی کے وصی یا نائب کا انتخاب کیا ہے۔ اور جس کے پاس جبر کرنے کا اختیار

The Study of Religion and History

# THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

نہیں بلکہ وہ عورت سے پوچھ کر اور اجازت لے کر ہی اُس کا نکاح کر سکتا ہے جیسے دادا یا دوسرے عصبہ رشتہ دار وغیرہ۔ اسی تقسیم اور تصور نے غلط فہمیاں پیدا کی ہیں، جس سے یہ مسئلہ بگڑ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باپ اپنی ہی بیٹی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اُسی کی مرضی کے مطابق نکاح کرے، بلکہ باپ کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی بیٹی سے پوچھ لیں اور اگر اُس کی مرضی نہیں ہے، تو باپ کسی صورت بھی اپنی بیٹی کو مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر بیٹی اپنی مرضی سے کسی ایسی جگہ اپنا نکاح کرنا چاہے، جو کفو نہ ہو، اور جس سے خاندان میں مسائل پیدا ہونے یا بدنامی کا خطرہ ہو، تو ولی اُس کو ایسے جگہ نکاح سے منع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ولی بغیر کسی وجہ کے اپنی زیرِ ولایت عورت کو نکاح سے روکتا ہے، تو عورت عدالت جا کر اس کے خلاف دعوی کر سکتی ہے، اور اس کے نتیجے میں عدالت یا تو ولی کو مجبور کرے گی کہ وہ اس کا نکاح کرے، یا عدالت خود ولی بن کر اس عورت کا نکاح کرے گی۔

چونکہ ہمارے معاشرے میں موجود افراط و تفریط کی وجہ سے ولی کی حیثیت کو کافی حد تک اختلاف کا شکار کر دیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے ولی کی اہمیت کو اتنا بڑھا دیا کہ لڑکی کی مرضی اور نکاح میں اُس کے اختیار کو بالکل ختم کر دیا، اور لڑکیوں کے جبری نکاح کا رواج چل گیا، حتی کہ بچپن میں لڑکیوں کے لیے رشتے مقرر کرنا، اور بلوغ کے بعد لڑکی کا کوئی اختیار نہ ہونا، یہ ایسے رواج ہیں جو مسلمانوں میں موجود ہیں اور جن سے لڑکیوں پر ظلم کی بنیاد پڑ گئی، اور وہ ظلم ایسا ہے کہ جس میں بے شمار لڑکیاں اپنے باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ہاتھوں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں، اور اُن کے قتل کو غیرت کا نام دیا گیا، یا "سورہ*" کے رسم کے تحت لڑکی کو اپنے دشمنوں کے حوالے کیا گیا اور یوں ان خلافِ اسلام رواجوں اور بدعات نے ولی کے اس حکم کو انتہائی حد تک داغدار بنا دیا، اور صرف یہ نہیں بلکہ اسلام کے اس حکم پر کئی سوالات

---

*"سورہ" پشتو زبان کا لفظ ہے، یہ وہ مکروہ رسم ہے، جس کے ذریعے اپنے دشمنوں یا مخالفین سے صلح کے نتیجے میں اپنی بیٹی یا بہن کو اپنے مخالف یا دشمن کو نکاح میں دیا جاتا ہے، اس عورت کے لیے کوئی مہر مقرر نہیں کیا جاتا، نہ اس کے لیے حقوق کا کوئی حق تسلیم کیا جاتا ہے، اور نہ اس وہاں کوئی قدر و عزت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ تو اپنے باپ، بھائی یا چچا وغیرہ نے صلح میں ضمانت کے طور پر دی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس گھر میں اس لڑکی کو ہمیشہ طعنوں کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کی پوری زندگی ایک اذیت بن جاتی ہے۔ یہ رسم ناجائز ہے، اس لیے کہ عورت مال نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کے عوض میں دی جائے، نہ عورت کو بیچا جا سکتا ہے، کیونکہ آزاد مرد یا عورت کو بیچنا شرعاً حرام ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے: "حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ: قَالَ اللَّهُ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أجيرا فاستوفى منه ولم يعطه أجره" (البخاري، الجامع الصحیح، بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا، حدیث 2114) (نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں اُن کے خلاف خود مدعی بنوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر کسی سے وعدہ کیا، پھر اُس کو پورا نہیں کیا۔ دوسرے وہ جس نے آزاد انسان کو بیچ کر اُس کے پیسے کھائے۔ تیسرے وہ جس نے کسی مزدور سے کام تو پورا لیا لیکن اُس کی مزدوری نہ دی)۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے، اس لیے نہ تو اس کو کسی قیمت کے بدلے بیچا جا سکتا ہے، نہ یہ خود کسی چیز کی قیمت بن سکتا ہے۔ اس کی وضاحت امام کاسانی نے اس طرح کی ہے: وكذا إذا صالح على عبد، فإذا هو حر؛ لا يصح الصلح؛ لأنه تبين أن الصلح لم يصادف محله، (علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (587ھ)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (بیروت: دار الكتب العلمية، 1328ھ)۔ یعنی اگر کسی نے غلام کے بدلے صلح کیا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو غلام نہیں بلکہ آزاد تھا، تو یہ صلح صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ایک آزاد انسان کو اس طرح کسی معاہدے میں عوض کے طور پر نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں امام کاسانی کی عبارت تو بالکل واضح ہے کہ صلح میں کسی آزاد انسان کو بطور عوض نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے سورہ کا رسم انتہائی غیر شرعی اور ناجائز بلکہ حرام ہے۔ لیکن ولی کے اصطلاح کی غلط تعبیر کی وجہ سے لوگوں نے یہ ظلم بھی شروع کیا ہے، جس کے برے اثرات اور نتائج بھی سامنے آ گئے ہیں۔

اُٹھانے کا سبب بھی بن گیا، حالانکہ یہ ظلم اسلام نے نہیں کیا تھا، بلکہ اسلام کے اس قانوں کا سوءِ استعمال (Miss use) کر کے مسلمانوں نے یہ غلطی کی، اور ذمہ دار اُس کا اسلام ٹھہرا۔ دوسری طرف جنھوں نے ولی کو غیر ضروری ٹھہرایا، وہ دوسری انتہا میں پہنچ گئے، اور انہوں نے لڑکیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنی مرضی سے کسی بھی لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کروالیں تو اسلام میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے، اور اس میں باپ دادا اور خاندان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام کے اس قانون کو دیکھا جائے، تو یہ انتہائی اعتدال پر مبنی ہے، جہاں ولی اپنی جگہ پر اہمیت رکھتا ہے، اور لڑکی اپنے رشتے کے بارے میں پورا اختیار بھی رکھتی ہے، لیکن دونوں کے لیے اپنے حدود مقرر ہیں، جن میں رہ کر نہ ولی کی اہمیت کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے، اور نہ لڑکی کا
اختیار متاثر ہوتا ہے۔ اسلام کا واضح قانون یہ ہے کہ ولی کے بغیر بھی نکاح نہیں ہوتا، لیکن لڑکی کی رضامندی کے بغیر بھی ولی نکاح نہیں کرا سکتا۔ اس قانون کو اگر اپنے روح کے ساتھ عملی کیا جاتا تو لڑکوں اور لڑکیوں میں آج جو یہ باغیانہ رجحان پیدا ہوتا جارہا ہے، کہ وہ اپنے خاندان کی عزت کو داؤ پر لگا کر آزادانہ طور پر گھروں سے بھاگ کر آپس میں نکاح کر لیتے ہیں، اور اس کو محبت کی شادی (love marriage) کا نام دے دیتے ہیں۔ اور ایسی شادیوں کا تجربہ یہ رہا ہے کہ یہ پائیدار نہیں ہوتی، بلکہ کچھ عرصے کے بعد یہ جوڑا ایک دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے، اور چونکہ خاندان کو یہ پہلے ہی چھوڑ چکے ہوتے ہیں، اس لیے یہ دونوں لڑکا اور لڑکی الگ ہونے کے بعد کسی جگہ بھی رہنے کے قابل نہیں رہتے۔ حالانکہ محبت کی شادی کی گنجائش شریعت اسلامی نے بھی رکھی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ والدین سے بغاوت کر کے جو شادی کی جاتی ہے وہی محبت کی شادی ہے، اسے تو بغاوت کی شادی کا نام دیا جانا چاہیے۔ محبت کی شادی کا مطلب تو یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور ایک دوسرے کو پسند کریں، جیسے امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے:

"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ:حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ هُوَ الأَحْوَلُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا"14 "حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو دیکھ لو، کیونکہ آپ کا اُسے دیکھنا رشتہ قائم رہنے کے لیے بہت مناسب ہے"

اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نکاح سے پہلے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں، اور اگر ان میں سے کسی ایک کو یہ رشتہ پسند نہ آئے، تو ابھی سے رشتہ نہ کریں، اور اگر ایک دوسرے کو پسند کر لیں، تو رشتہ کر لیں، اور اسی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دیکھ کر پسند کرنا رشتہ قائم اور دائم رہنے کے لیے بہت مناسب ہے۔

اس کے برعکس اسلام نے جو قانون دیا ہے، اُس میں ولی کا اپنا دائرہ اور حدودِ کار ہیں، اور عورت کا اپنے آپ پر پورا اختیار ہے۔ اس حوالے سے فقہائے مذاہب کے مختلف آراء ہیں۔ اس اختلاف کا خلاصہ درج ذیل ہے:

## فقہی مذاہب کا تقابلی جائزہ

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح میں ولی ضروری ہے، جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور جو بھی نکاح ولی یا اُس کے نائب کے بغیر کیا گیا، وہ باطل تصور ہوگا۔ اس لیے کوئی بھی عورت خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، عقل مند ہو یا خفیف العقل اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکے۔ البتہ یہ تینوں فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر عورت ثیبہ یعنی شوہر دیدہ ہو، تو اُس کی رضامندی اور منظوری کے بعد ہی عقد جائز ہوگا۔ اس کے برعکس امام ابو حنیفہ اور فقہائے احناف کہتے ہیں کہ ولی صرف نابالغ اور بالغ مجنون کے لیے ضروری ہے، جبکہ عورت اگر بالغ اور عاقل ہو، خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری، وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ ہاں! اگر اُس نے اپنا نکاح کسی ایسے جگہ کر دیا جو اس کے خاندان کے لیے بدنامی یا عار کا سبب بنتا ہو، تو پھر ولی کو فسخ کا اختیار حاصل ہے۔ اس تفصیل کو عبد الرحمٰن الجزیری نے اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں یوں ذکر کیا ہے:

اتفق المالكية والشـــافعية والحنابلة على ضـــرورة وجود الولي في النكاح فكل نكاح يقع بدون ولي أو من ينوب منابه يقع باطلا فليس للمرأة أن تباشـر عقد زواجها بحال من الأحوال سـواء كانت كبيرة أو صـغيرة عاقلة أو مجنونة إلا أنها كانت ثيبة لا يصلح زواجها بدون إذنها ورضاها.وخالف الحنفية في ذلك فقالوا : إن الولي ضروري للصغيرة والكبيرة المجنونة

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

أما البالغة العاقلة سواء كانت بكرا أو ثيبا فإنها صاحبة الحق في زواج نفسها ممن تشاء ثم إن كان كفوءًا فذاك وإلا فلوليها الاعتراض وفسخ النكاح[15]

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ لزومِ ولی کے بارے میں بھی ائمہ اربعہ دو گروپوں میں تقسیم ہیں، وہ اس طرح کہ شافعی اور مالکی فقہاء کا ایک گروپ ہے، جو ولی کو نکاح کا رکن مانتے ہیں، اور ان کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب کہ حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک ولی رکنِ نکاح نہیں بلکہ شرطِ نکاح ہے ۔اس لیے یہاں اس مسئلے میں کسی ایک کو جمہور قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن جب حنفی فقہاء نے بالغہ اور عاقلہ کی صحتِ نکاح کے لیے ولی کی شرط کو ساقط کر دیا، تو اس طرح شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء تینوں ایک طرف ہونے کی وجہ سے جمہور قرار پائے۔

جمہور فقہاء نے مذکورہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث سے استدلال کیا ہے۔ احادیث میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے۔ اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس بھی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، تو اُس کا نکاح باطل ہے۔

**احناف کے دلائل کا تنقیدی جائزہ**

احناف کے نزدیک وہ تمام احادیث جو بظاہر نکاح میں ولی کے شرط ہونے کے لیے دلیل کے طور پر جمہور کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں، وہ سب اُس نابالغ چھوٹی بچی کے بارے میں ہیں، جو خود اپنا تصرف نہیں کر سکتی۔ اس لیے ان کے نزدیک نکاح خرید و فروخت کے معاہدوں کی طرح ایک معاہدہ ہے۔ اور کوئی بھی بالغ عاقل عورت اپنے خرید و فروخت میں مکمل طور پر آزاد ہے۔ تو کیسے وہ اپنے عقدِ نکاح میں آزاد نہیں ہے۔ حالانکہ عقدِ نکاح زیادہ خود مختاری کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ نکاح کے ساتھ عورت کی پوری زندگی کے بڑے اہم معاملات کا تعلق ہے، تو عقدِ نکاح کو عقد بیع پر قیاس کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور اس قیاس کے خلاف جو روایات آتی ہیں، تو حنفی فقہاء اُن کو خاص صورتوں کے ساتھ مخصوص کرنا لازمی قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس قاعدے کے مطابق یہ روایت: "ایک عورت دوسری عورت کو نکاح میں نہیں دے سکتی" اس کے معنی یہ ہے کہ ایک بالغ عورت چھوٹی بچی کو نکاح میں نہیں دے سکتی، جب کہ اس کے عصبہ میں اس عورت سے زیادہ قریبی اور مقدم مرد کی شکل میں ولی موجود ہو۔ یا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی دوسری چھوٹی عمر کی لڑکی کو نکاح میں نہیں دے سکتی۔ رہی دوسری حدیث کہ "عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی" اس کے معنی یہ ہے کہ چھوٹی عمر کی لڑکی اپنا نکاح ولی کے بغیر نہیں کر سکتی۔ گویا احناف کے نزدیک ہر صورت میں مذکورہ حدیث چھوٹی عمر کی لڑکی پر محمول ہے۔ اور یہ اس لیے کہ بالغ عورت کے لیے خرید و فروخت کا حق ہے، تو نکاح کو بھی خرید و فروخت کے معاہدے پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور یہ بات اصول کے مطابق جائز ہے۔

یہاں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو حدیث کو صغیرہ پر محمول کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، نہ اس کے لیے کوئی قرینہ موجود ہے۔ کیونکہ یہاں ایک اور صحیح حدیث موجود ہے:

"عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : الثيب تستأمر في نفسها والبكر تستأذن قالوا يا رسول الله كيف إذنها قال أن تسكت[16]"۔

"ثیبہ عورت یعنی شوہر دیدہ سے مشورہ کیا جائے گا، جب کہ کنواری سے باقاعدہ اجازت لی جائے گی۔ لوگوں نے کہا: اُس سے کیسے اجازت لی جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس کی خاموشی اجازت ہے" اس حدیث سے خود بخود یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شوہر دیدہ عورت سے اپنے بارے میں مشورہ کرنا اور غیر شوہر دیدہ یعنی کنواری سے اجازت طلب کرنا ولی ہی کے لیے ضروری ہے۔ اگر ولی کی کوئی حیثیت ہی نہ ہوتی، تو پھر یہاں اس مشورے اور اجازت کی کیا ضرورت تھی، بلکہ عورت کی مرضی ہوتی، جس سے چاہے نکاح کر لے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حنفی فقہاء کے اس قیاس سے ہی اتفاق کرنا مشکل ہے، کہ نکاح کو خرید و فروخت کے معاہدوں پر قیاس کیا جائے۔ اس لیے کہ خرید و فروخت کا جو بھی نقصان ہو گا، خواہ وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ صرف مالی نقصان ہے، اور وہ بھی کبھی کبھار کوئی واقعہ پیش آئے گا۔ جبکہ نکاح اگر کسی غیر کفؤ سے ہو جائے تو اس کی وجہ سے تو عورت کو دین اور دنیا دونوں میں خطرات کا سامنا ہو گا۔ کیونکہ پوری دنیا کے اندر انتہائی کم تعداد ایسی عورتوں کی ہو گی، جو خود خرید و فروخت کرتی ہیں۔ لیکن نکاح ہر عورت کی ضرورت بلکہ مجبوری ہے۔ اس کے نتیجے میں عدالت کے پاس اتنے دعاوی پیش ہونگے جن کے فیصلے کرنے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

کے لیے کوئی الگ عدالت لگانی ہو گی، جیسے آج کل الگ کورٹ قائم ہو گئے ہیں، لیکن پھر بھی شاید ان کیسز کو نمٹانا اُس عدالت کے بس کی بات نہیں ہو گی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو اس قسم کے دعوے عدالت میں لے جائیں گے۔ اور خصوصا آج کل جب کہ عدالتی نظام قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہے اور میاں بیوں کے درمیاں جدائی اُن کا من پسند مشغلہ بلکہ مقصد اولی ہے، جس کا ثبوت آج کل کی عدالتوں میں طلاق کے بے شمار معاملات ہیں، اور ان معاملات میں کوئی ایسا معاملہ ابھی تک سامنے نہیں آیا کہ ان عدالتوں میں میاں بیوی کے اختلاف کا کوئی کیس آیا ہو، اور عدالت نے دونوں کے درمیان صلح کر کے واپس اپنے گھر بھیج دیا ہو، بلکہ آئے روز بے شمار شواہد اس بات کے ملتے ہیں کہ فلاں عورت نے طلاق لے اور فلاں نے طلاق لے لی، اور علٰحیدگی ہو گئی۔ اور ایسے واقعات بھی آئے روز پیش آتے ہیں کہ عورت اپنی مرضی سے کسی مرد کے ساتھ بھاگ کر عدالت میں اُس کے ساتھ کورٹ میرج کر لیتی ہے، جس کے بعد ولی کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر کسی موہوم خطرے کے پیش نظر حقیقی خطرہ مول لیا جائے۔ تو اس سے معاشرتی مسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس کے نتائج بہر حال عورت کے حق میں اچھے نہیں نکلیں گے۔ اور پھر آج کل کے زمانے میں شرعی طور پر ولی کی حیثیت کو ختم کرنا تو عورتوں کے لیے آوارہ گردی کا وہ میدان کھول دے گا، جس کو کنٹرول کرنا پھر حکومتوں کے بس میں بھی نہیں ہو گا۔ اس لیے یہاں جمہور کی رائے کو ہی ترجیح دی جانی چاہیے۔ کیونکہ اس میں وارد احادیث انتہائی واضح ہیں۔

## حاصلِ تحقیق(Findings)

1. ولی کی شرط قرآن وسنت سے ثابت ہے
2. جمہور کا موقف زیادہ قوی ہے
3. احناف کا موقف اجتہادی ہے مگر محدود اطلاق رکھتا ہے
4. ولی کا مقصد جبر نہیں بلکہ تحفظ ہے
5. جدید معاشرت میں ولی کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے

## نتیجہ(Conclusion)

نکاح میں ولی کی شرط ایک محض رسمی تقاضا نہیں بلکہ ایک حکیمانہ اور سماجی طور پر ضروری اصول ہے۔ یہ:

- عورت کے مفاد کا محافظ
- خاندان کے استحکام کا ضامن
- اور معاشرتی نظم کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا معاصر حالات میں جمہور کا موقف زیادہ قابلِ ترجیح ہے، بشرطیکہ اسے عدل، حکمت اور رضامندی کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

## مصادر ومراجع

---

[1] النور،32:24

[2] ابو عبد الله، محمد بن اسماعیل بن إبراهيم بن المغيرة ابن بردزبه البخاري الجعفي،(256ھ)، الجامع الصحیح،(مصر: المطبعة الكبرى الأميرية، 1311ھ)، باب: من لم يستطع الباءة فليصم، حدیث نمبر:4779

[3] امام علاء الدین، ابی بکر بن مسعود، الکاسانی(587ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،(القاہرہ: دار الحدیث، 1426ھ)، 331:3

[4] البقرة،221:2

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337
Vol.4 No.1 2026

[5] البقرۃ،2:232

[6] محمد بن ادریس، الشافعي،(204ھ)، الأم،(القاهرة:شرکۃ القدس،2016م)،5:20

[7] البخاري، الجامع الصحیح، بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ، حدیث نمبر:5130

[8] ۔محمد بن عیسیٰ بن موسی بن سورۃ، ابوعیسیٰ، الترمذی، البوغی،(279ھ)، سنن الترمذی،(مصر:شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي،1395ھ)،بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ، حدیث نمبر1101

[9] الترمذی، سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ، حدیث نمبر:1102

[10] ایضا

[11] أبو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني(273ھ) سنن ابن ماجه، ت: الأرنؤوط،(بیروت: دار الرسالة العالمية،1430ھ)، باب: لا نكاح الا بولی، حدیث نمبر:1882

[12] أبو بكر، أحمد بن الحسين بن علي، البيهقي(458ھ) السنن الکبری،(بیروت: دار الكتب العلمية،1424ھ)، باب لا نکاح إلا بولي، حدیث نمبر:13633

[13] البیہقی، السنن الکبریٰ، باب لا نکاح إلا بولي، حدیث نمبر:13639

[14] الترمذی، سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى المَخْطُوبَةِ، حدیث نمبر:1087

[15] عبد الرحمن بن محمد عوض، الجزیری(1359ھ)، الفقہ علی المذاهب الاربعة،(بیروت: المكتبة العصرية،1434ھ)،4:46

[16] الإمام أحمد بن حنبل(241ھ) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ت: شعيب الأرنؤوط،(بیروت: مؤسسة الرسالة،1421ھ)، مسند أبو هريرة